Fikr-o-Nasar (Islamabad) 19:1 (1981)

تاریخ اور خرافات کا رشتہ

ڈاکٹر نثار احمد فاروقی

کسی نے کہا تھا کہ تاریخ میں ناموں اور تاریخوں کے سوا باقی سب کہانی ہوتی ہے اور کہانیوں میں ناموں اور تاریخوں کو چھوڑ کر باقی سب حقیقت ہوتی ہے۔ کہنے والے نے یہ بات کس نیّت یا مقصد سے کہی ہوگی یہ فیصلہ کرنا مشکل ہے۔ بظاہر وہ افسانے کی وکالت کر رہا ہے کہ اس میں حقیقی زندگی کی ترجمانی فرضی کرداروں کے ذریعے ہوتی ہے فرق صرف اتنا ہے کہ تاریخ کا دعوی یہ ہوتا ہے کہ "ایسا ہوا" اور قصہ کہتا ہے کہ "ایسا ہوتا ہے"۔ تاریخ کے علم میں علوم طبیعیات (NATURAL SCIENCES) کی سی قطعیت نہیں ہے اس لیے "ایسا ہوا" کے دعوے کو چیلنج کیا جا سکتا ہے۔ اور افسانہ حقائق سے ماخوذ ہے مگر خود "حقیقت" ہونے کا مدّعی نہیں اس لیے اس کی صداقت کو چیلنج نہیں کیا جا سکتا۔ اس تعریف سے ایک بات تو واضح ہو جاتی ہے کہ تاریخ اور افسانے میں کوئی رشتہ ضرور ہے خواہ ظاہری ساخت کے اعتبار سے خواہ مواد اور مشمولات کے لحاظ سے۔ آئیے پہلے یہ دیکھیں کہ "تاریخ" کیا ہے۔ اس کی بہت سی تعریفیں کی گئی ہیں۔ قدیم علماء کہتے ہیں کہ واقعات کو بقید وقت قلمبند کرنا تاریخ ہے۔ واقعات شخصیّات کے گرد گھومتے ہیں اور ان کا وقوع زمان و مکان کا پابند ہوتا ہے لہذا "انسان، زمان، مکان، تاریخ" ایک فارمولا ہوا۔ دوسری تعریف یہ کی گئی ہے کہ تاریخ کا مقصد حقیقت کو پیش کرنا ہوتا ہے۔ انسان کی زندگی کے دونوں طرف دو دبیز پردے پڑے ہیں ایک ماضی کا حجاب ہے دوسرا مستقبل کا۔ بقول شاعر:

© Dr Muhammad Hamidullah Library, IIU, Islamabad. http://iri.iiu.edu.pk/

نہ ابتـدا کی خبـر ہے نہ انتہـا معلوم
رہا یہ وہم کہ ہـم ہیں سو وہ بھی کیامعلوم

تاریخ ماضی کے پردوں کو اٹھانے کی کوشش کرتی ہے اور بتاتی ہے کہ ہم سے پہلے زمین پـر کـون سی قومیں آباد تھیں ، ان کی معاشرت کیسی تھی ، انہوں نے انسانی علوم میں کیا کیا اضافے کیے ، کون سی کامیابیاں حاصل کیں ، اور وہ کیوں فنا ہو گئیں ۔ مستقبل کا حجاب اٹھانے کے لیے بھی انسان روز اوّل سے جدّو جہد کررہا ہے ۔ نجوم و کہانت اور علم الید سے لے کر روحانی تجربات کے مختلف طریقوں تک کتنے ہی ذریعے اس نے مستقبل میں جھانکنے کے ایجاد کیے ہیں لیکن اس میں ابھی تک کوئی قطعیّت حاصل نہیں کر سکا ہے ۔

واقعات کی وجہ سے تاریخ میں ڈرامائی عنصر کا شامل ہونا بھی فطری بات ہے اور جب ڈرامائی عنصر ہوگا تو حیرت و استعجاب (SUSPENSE) ، مکالمہ ، CLIMAX اور ANTI-CLIMAX ، یہ سب مرحلے بھی آئیں گے ۔ ان سے واقعات کے بیان میں چٹخارا پیدا ہوتا ہے اس لیے مؤرّخ بھی ان عناصر کو خوشی خوشی قبول کر لیتا ہے حالانکہ تاریخ کا مقصد یہ نہیں ہے کہ اسے زیادہ سے زیادہ لوگ پڑھیں اور اس سے عبرت یا انبساط حاصل کریں مگر بشری کمزوری کی وجہ سے ہر مؤرّخ یہی چاہتا ہے کہ وہ زیادہ سے زیادہ پڑھنے والوں کو متوجہ یا مسرور کر سکے ۔ حالانکہ تاریخ اگر بغیر کسی آمیزش کے صرف اور محض حقائق پر مبنی ہے تو وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہے خواہ اسے دنیا میں ایک آدمی بھی نہ پڑھے ۔ زیادہ سے زیادہ پڑھنے والوں کو اپنی طرف کھینچنا ان کی توجہ کو جذب کیے رهنا ان کے جذبات سے کھیلنا انہیں ھنسانا یا رلانا ان کے احساسات کو جھنجھوڑنا یا انہیں ذهنی اور نفسیاتی لذت فراہم کرنا یہ سب باتیں تاریخ کے «مقصد» کے ذیل میں شامل نہیں ہیں ۔ البتہ «افسانے» کو ان سب عناصر کی ضرورت ہے کیونکہ افسانے کی کامیابی یہی ہے کہ وہ ایک سوچا سمجھا تأثر پیدا کر سکے ۔

تاریخ مجموعۂ واقعات ہے لیکن ہر واقعہ تاریخ نہیں ہے ۔ ہم صبح سو

کر اٹھتے ھیں اور رات کو دوبارہ سوتے وقت تک کتنے ھی اعمال ھم سے سرزد ھوتے ھیں یا ھم ان کا مشاھدہ کرتے ھیں ، انھیں واقعات تو کہا جائے گا مگر وہ "تاریخ" نہیں کہلائیں گے ـ پھر یہ بھی سوال ہے کہ تاریخ کے کردار کون ھیں۔

پہلے زمانے میں بادشاہ اور امراء اور فوق الفطری طاقت رکھنے والے کردار تاریخ کے واقعات ڈھالتے تھے ـ ہزاروں تاریخیں جو لاکھوں صفحات میں لکھی گئی ھیں ان میں چند بادشاہ ھیں ان کے مصاحب اور امراء اور درباری ھیں ، طاقت کے لیے رسّا کشی ہے ، زمین کی بھوک ہے ، خزانے کا بے دریغ خرچ ہے ، زرق برق لباس اور عالی شان محلّات اور آنکھیں خیرہ کرنے والے جواھرات و زیورات ھیں ، یہ سب کچھ ہے ، اور بھی بہت کچھ ہے ؛ مگر وہ عوام کہیں نہیں ھیں جن کی زندگیوں پر تاریخ کا قصر فلک بوس کھڑا ہے ـ اب اگرچہ یہ شعور خاصا بیدار ھو چکا ہے کہ تاریخ کی اصل قوت "عوام" ھیں لیکن ایسی تاریخ آج بھی نہیں لکھی جا رھی ہے جس میں عام انسان کا خاص کردار اجاگر کیا گیا ھو ـ یہاں بھی "قصے" کے لیے میدان خالی ہے اور اسی لیے وہ حقیقی زندگی سے زیادہ قریب ھو گیا ہے ـ

تاریخ دراصل بڑی مشکلوں میں پھنسی رھی ہے ـ اسے ھم تلاش کرنے چلیں تو بہت سی دوسری چیزوں سے ملاقات ھو جاتی ہے ، "تاریخ" پھر بھی نہیں ملتی ، اور ملتی ہے تو کسی نہ کسی بھیس میں ـ اس پر کتنے ھی حجابات پڑے ھیں ، کہیں ملمّع کیا ھوا ہے کہیں اس کے مکروہ چہرے پر غازہ لگا کر اسے "رخ رنگین" بنایا گیا ہے ، کہیں اس کا دلنواز چہرہ سیاہ اور بھیانک کر دیا گیا ہے ـ وہ حماسہ یعنی (EPIC) رومان (ROMANCE) خرافات (LEGENDS) اساطیر (MYTHOLOGY) اور قصص (STORIES AND TALES) کے نرغے میں گم ھو چکی ہے ـ سب سے پہلے تو ھم اساطیر سے ملتے ھیں ـ یہ اسطورہ کی جمع ہے جس کا عربی میں مادہ "سطر" ہے ـ جس طرح اعجوبہ" کا مفہوم یہ ہے کہ وہ بات جو تعجب کے قابل ھو اسی طرح اسطورہ وہ بات ہے جو لکھنے کے لائق ھو ـ انگریزی لفظ ھسٹری (HISTORY)

بھی اسی ،،اسطورۃ،، کی ایک شکل ہے۔ یہاں ہمزہ کی آوازH کی آواز سے بدل گئی ہے اور ،،اسطورۃ،، ،،ھسٹری،، ہو گیا لیکن دوسری جگہ وہ بدستور باقی رہا چنانچہ اسٹوری (STORY) بھی یہی اسطورۃ ہے۔ اب انگریزی میں اسٹوری اور ھسٹری میں جو معنوی فرق ہے وہ ظاہر ہے۔ عربی میں ،،اسطورۃ،، (MYTH) کو کہتے ھیں۔ اس لسانیاتی مطالعے سے یہ تو معلوم ہو جاتا ہے کہ تاریخ قصہ اور دیو مالامیں کوئی رشتہ ابتدا ھی سے موجود تھا جس کا اثر ان کے ناموں تک میں آ گیا ہے۔ آج بھی تاریخ اور افسانے کی سرحدیں ایک دوسرے کے اندر دور تک چلی گئی ھیں اور ذرا سی لغزش سے تاریخ افسانہ بن جاتی ہے اور اس میں گزاف گوئی ہونے لگتی ہے۔ ابتدائی تاریخوں میں اساطیر کے اثرات کی مثال فارسی ،،خداینامہ،، میں ملتی ہے اور ،،چچ نامہ،، بھی ایسی ھی تاریخ ہے۔ خرافات و اساطیر سے تاریخ کا رشتہ آج بھی منقطع نہیں ہوا ہے۔

ایک تو ھمارے تاریخ نگار قوت انتقاد سے اور تاریخی VISION سے عموماً محروم ہوتے ھیں اور عام سطح کے قاری کا تاریخی شعور بھی زیادہ بیدار نہیں ہے اس لیے تاریخ کا ،،غیر تاریخی،، حصہ اسے زیادہ اپیل کرتا ہے۔ تاریخ کے راستے میں دو بڑی دشواریاں اور بھی ھیں ان میں سے ایک کا تعلق ھیئت یعنی FORM سے ہے دوسری کا مواد یعنی SUBJECT MATTER سے۔ فارم کی حد تک ایک قباحت یہ ہے کہ خاص طور سے عربی فارسی ور ترکی زبانوں میں تاریخ کو ،،ادب،، سے مربوط رکھا گیا اس لیے انہیں ماہر انشا پردازوں نے لکھا اور مواد سے زیادہ اسلوب پر توجہ مرکوزرکھی ۔ فارسی میں تو مرصع نگاری اور قافیہ آرائی کو تاریخ نگاری کا لازمہ سمجھ لیا گیا۔ تاریخ وصّاف، ،،طبقات ناصری،، اور اکبر نامہ اس کی چند مثالیں ھیں .ابوالفضل کااثر تواس وقت تک باقی تھا جب سر سید احمد خان نے اپنی بلند پایہ کتاب ،،آثار الصنا دید،، لکھی ہے۔ غالب نے شاھان مغلیہ کا مؤرخ بننے کا منصب اپنی انشا پردا زی کے بل بوتے پر ھی قبول کیا تھا حالانکہ وہ خود جانتے تھے کہ وہ تاریخ کے مرد میدان نہیں ھیں ۔ مگر حکیم احسن اللہ خان کتب تاریخ سے جو مواد اکٹھا کرکے دیتے

رهے مرزا غالب اسی کو اپنے زور قلم سے لکھتے رهے۔ اگر تاریخ میں اسٹایل کی ضرورت یا اهمیّت کو تسلیم کر لیا جائے تو یہ ماننا بھی لازم آتا ہے کہ وہ تخلیقی ادب» کا ایک حصّہ ہے اور «تخلیقی» هونے کی صورت میں وہ «افسانے» کا ایک روپ بن جاتی ہے۔

دوسری آفت جو تاریخ کے مواد یا CONTENTS کو متأثر کرتی ہے وہ معروضی نقطۂ نظر (OBJECTIVE VIEW) کا فقدان ہے۔ بہت سی تاریخیں عموماً یک طرفہ هیں۔ مسلمانوں نے تاریخ نگاری کے فن کی بہت خدمت کی ہے اور ووستنفیلڈ(WUSTENFELD) کے ایک جائزے کے مطابق تاریخ اسلام کے پہلے هزار سال میں جو تاریخیں لکھی گئیں ان میں سے (۵۹۰) تصانیف آج بھی موجود هیں اور اس سے کئی گنا زیادہ وہ هیں جو وقت کے سیلاب میں بہہ گئیں۔ مسلمان مؤرّخوں نے تاریخ کو قانون شہادت (LAW OF EVID-ENCE) کی بنیاد دی اور اس میں شک نہیں کہ یہ سب سے زیادہ محفوظ بنیاد تھی لیکن شہادت کا تعلّق افراد سے ہے اور سب افراد تعصبّات سے آزاد نہیں هو سکتے۔ ان کے انہیں «تعصبات» سے تاریخوں کے اوراق بھرے پڑے هیں۔ کبھی یہ علاقائی عصبیّت ہے مثلاً جنوبی عرب کا باشندہ شمالی عرب کی صحیح تصویر پیش نہیں کرتا اور یمنی روایات میں بیشتر چیزوں میں پہل کرنے یا انہیں ایجاد کرنے کا سہرا جنوبیوں کے سر باندھا جاتا ہے۔ علاقائی تعصب کے ساتھ هی لسانی تعصّب بھی رهتا ہے جیسے عرب اپنے مقابلے میں ساری دنیا کو گونگا (عجم) سمجھتے تھے۔ تیسرا نسلی تعصّب ہے۔ ایک خاندان خود کو افضل اور «نجیب الطرفین» سمجھتا ہے اور اپنی نسل کی برتری دوسروں پر ثابت کرنا چاهتا ہے اس لیے اس کے کارنامے خوب بڑھا چڑھا کر پیش کرتا ہے۔ هندوستان میں یہ تعصّب آریائی» اور غیر آریائی» عصبیّت کی صورت میں موجود رها ہے۔ اس کے بعد مذهبی تعصبات کی باری آتی ہے۔ تقریباً هر مذهب اپنے روحانی نظام کواعلیٰ‌واکمل جانتا ہے اور دوسرے مذاهب پر اپنی فوقیّت ثابت کرنا چاهتا ہے۔ پھر اگر ایک هی مذهب بہت سے تاریخ نگاروں کا ہے تو اس مذهب کے مختلف

اسکول اور (CULTS) اپنا اپنا اثر ضرور چھوڑتے ہیں ۔ چنانچہ مسلمان مؤرّخ بھی یا شیعہ ہوگا یا سنیّ ۔ مقلّد ہوگا یا غیر مقلّد۔مقلّدوں میں بھی حنفی ہوگا یا حنبلی ۔ حنفیوں میں بھی دیوبندی ہوگا یا بریلوی ۔ جب اتنے بہت سے خفی اور جلی تعصبات کار فرما ہوں تو معروضیّت کا گذر کہاں ہو سکتا ہے۔ وہ ایک ہی کلچر یا ثقافت کی برتری دکھانا چاہتا ہے اور دوسری ثقافتوں کے ساتھ۔ فعل و انفعال اور تفاعل (INTER - ACTION) کے تعلق کو نظر انداز کرتا ہے یا اسے سمجھنے کی صلاحیّت ہی نہیں رکھتا ۔ سیاست کی گرفت سے بھی تاریخ کبھی آزاد نہیں ہو سکتی ۔ آج تو بے شمار سیاسی نظریات اور ISMS اپنا کام کر رہے ہیں۔قدیم زمانے میں بھی حکومت پہلے ترکوں کے ہاتھوں میں رہی پھر سیّدوں نے اقتدار سنبھالا ان سے پٹھانوں نے حکومت چھینی اور آخر میں مغل برسر اقتدار آئے ۔ بعض تاریخوں کے بارے میں ہمیں علم ہے کہ دوسری حکومت نے اپنے زمانۂ اقتدار میں انہیں ضائع کرا دیا یا بدلے ہوئے حالات میں ان کی ضرورت نہیں سمجھی گئی ۔ کبھی مذہبی عقائد بھی تاریخ کی موت بن جاتے ہیں ۔ ابن خلدون نے اپنی تاریخ میں ۴۰ ۔ ۵۰ صفحات میں واقعات کربلا کا تاریخی تجزیہ کیا تھا وہ صفحات ہی اس کی تاریخ سے غائب ہو گئے اور آج تک نہیں ملے ۔

تاریخ میں تحریف ترمیم اور جعلسازی بھی خوب ہوتی ہے ۔ اس کا سبب ان تعصبات کے علاوہ جن کا اوپر بیان ہوا ایک اور بشری کمزوری ہے جسے HERO WORSHIP کہتے ہیں ۔ اور یہ بڑھکر خدا سازی (DEIFICATION) تک پہنچ جاتی ہے ۔ تاریخی وقائع کے بیان میں مبالغہ بھی اسی کے باعث آتا ہے تنگ نظری اور بیان کے یک رخے پن کی ذمہ دار بھی یہی ہیرو پرستی ہوتی ہے ۔

جہاں تک فکشن (FICTION) یا قصص کا تعلق ہے وہ ان الزامات اور عیوب سے پاک ہیں ۔ اس کی آمیزش سے تاریخ تو فاسد ہو جاتی ہے لیکن خود قصہ کسی بیرونی عنصر کی ملاوٹ سے فاسد (CORRUPT) نہیں ہوتا بلکہ

اس کی توانائی میں کچھ اضافہ ہی ہو جاتا ہے۔ ہمارے زمانے میں نظریات سازی نے تاریخ میں تطہیر (PURGATION) کے نام پر گڑ بڑ کی ہے۔ اب تاریخ کا مطالعہ کسی خاص پس منظر میں کیا جاتا ہے۔ مثلاً مارکسی نقطہ نظر میں اقتصادیات کو بنیادی اہمیّت حاصل ہے۔ یہ جدلیّاتی نظریہ اکثر مواقع پر صادق آتا ہے لیکن یہ تصویر کے دونوں رخ نہیں دکھا سکتا اور سماجی حقائق اور انسانی فطرت کے مطالعے میں یہ بہر حال ایک محدود نظریہ ہے۔

جہاں تک تاریخ کے مختلف مدرسوں کا تعلّق ہے ہم ابتدائی عہد کو ہند ایرانی اسکول کہہ سکتے ہیں۔ اس کے زیر اثر دو طرح کی تاریخیں لکھی گئیں۔ کچھ مقامی اور کچھ عمومی۔ دوسرا ہرات اسکول ہے جسے عرب تاریخ نویسی کی توسیع کہا جا سکتا ہے۔ لیکن مغلوں کے زمانے سے تاریخ نویسی کا انداز، اسلوب، نظریہ اور رویہ سب بدل گئے۔ مغلوں کا اس سلسلے میں اپنا مذاق تھا۔ تیمور تو تاریخ نویس منشیوں کا ایک پورا دستہ اپنی فوج کے ساتھ رکھتا تھا اور خود اس کی طرف بھی تزک تیموری منسوب کی جاتی ہے لیکن بعض اہل تحقیق نے اسے وضعی قرار دیا ہے۔ لیکن دوسرے مغل بادشاہ مثلاً بابر اور جہانگیر خود تاریخ نویسی میں دلچسپی رکھتے تھے۔ ہمایوں کی سوتیلی بہن گلبدن بیگم نے "ہمایوں نامہ" لکھا۔ اکبر نے اپنے درباری ابو الفضل سے اکبر نامہ" اور "آئین اکبری" لکھوائیں۔ حتی کہ گئی گذری حالت میں بہادر شاہ ظفر نے بھی شاہان گورگان کی تاریخ لکھنے کی خدمت پر مرزا غالب کو ملازم رکھ لیا اور نجم الدولہ دبیر الملک کا خطاب بھی عطا کر دیا تھا۔

مغل عہد کے خاتمے کے ساتھ ہی تاریخ کا ایک "افرنگی نظریہ" ابھرا۔ اس کے دو مقصد تھے۔ ایک تو یہ ثابت کرنا تھا کہ پچھلی تاریخ بحران، انتشار، بد امنی اور بد اخلاقی، گناہ اور مظالم کی تاریخ تھی، اس سے لامحالہ یہ نتیجہ نکلے گا کہ برطانوی راج اہل ہند کے لیے ایک نعمت سے کم نہیں۔ حالانکہ ہندوستان میں جتنا انتشار و افتراق قومی سطح پر آج موجود ہے وہ سب برطانوی عہد ہی کی یادگار ہے۔ ہندوستانی تاریخ کی عہد وار تقسیم

یعنی عہد قدیم عہد وسطی اور عہد جدید بھی برطانوی تاریخ نگاروں کی اپج ہے اور اسے اتنا راسخ کر دیا گیا ہے کہ اب ہمارے بڑے روشن خیال مؤرخ بھی اس تقسیم سے اپنا دامن نہیں بچا سکتے۔ اس کا مقصد بھی ذہنی اور ثقافتی اعتبار سے ہندوستانی مزاج کو تقسیم کرنا تھا۔ انگریز حاکموں نے اپنے سیاسی مقاصد سے تاریخ میں جعلسازی اور تحریف بھی کی ہے۔ انہوں نے سلطان ٹیپو کی ایک تاریخ خود ہی ایسی لکھی جس میں حیدر علی اور ٹیپو سلطان کے کرداروں کو مسخ کیا گیا ہے اور اس تاریخ کو ٹیپو کے پوتے پرنس غلام محمد کے نام سے شائع کر دیا گیا جو کلکتے میں فرنگیوں کے رحم و کرم پر رہتے تھے۔

آزادی کے بعد حبّ الوطنی قومی یک جہتی اور سکولر ازم جیسی اصطلاحوں کے نام پر تاریخ کے ساتھ جو سلوک کیا گیا ہے اس نے بھی تاریخ کو حقیقت سے دور تر اور فکشن سے قریب تر کر دیا ہے۔

غرض ہمارے بیشتر تاریخ نگاروں نے تاریخ کو فکشن بنانے کی متواتر کوشش کی ہے اور ساری تاریخ کو ایک خواب پریشان میں بدل کر رکھ دیا ہے۔ ایسے بہت سے دوسرے عوامل ہیں جن کا یہاں اشارۃً بھی تذکرہ نہیں ہو سکا۔ ان سب سے دامن بچا کر جو تاریخ کو پڑھ سکے وہی اپنے ماضی کا اصلی چہرہ دیکھ سکتا ہے۔ ورنہ یہ سمجھ لینا چاہیے کہ تاریخ بھی ہمارے عقیدے کا ایک حصہ ہے اور ہم ایک DOGMA کی طرح اس کی پرورش کررہے ہیں جس پر نقد و نظر کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔[1]

۱۔ تاریخ کے ان تصورات کے علاوہ ایک تصور وہ بھی جسے قرآن حکیم نے روشناس کرایا اور جس کے زیر اثر ہمارے اصول حدیث مدون ہوئے۔ جس کا اصل الاصول یہ ہے کہ واقعات کے ذکر میں سچائی اور دیانت داری سے کام لیا جائے۔ مصلحتوں کی خاطر حقائق کو توڑ مروڑ کر نہ پیش کیا جائے نہ ہی رنگ آمیزی کی جائے۔ قرآن مجید نے جس طرح زندگی کے مختلف شعبوں میں حق و صداقت کا بول بالا کیا اسی طرح اس نے علوم و فنون میں بھی کذب و دروغ کے فروغ کی حوصلہ افزائی نہیں کی۔ قرآن مجید میں گزشتہ اقوام کے بہت سے قصے بیان ہوئے ہیں۔ ان کے بیان کا جہاں ایک مقصد ہے

وہاں ایک خاص منہج بھی ہے جسے امتیاز کے لئے قرآنی تصور تاریخ یا منہج تاریخ کہہ سکتے ہیں۔ چونکہ ان قصص یا تاریخی واقعات و حوادث کا بیان کرنے والا خود اللہ تعالی ہے جو نہ صرف علیم و خبیر ہے بلکہ ملوک و سلاطین یا بنی نوع کے دوسرے طبقوں کی طرح دواعی نفس کا شکار یا اغراض و مصالح اور ذاتی مفادات کا اسیر بھی نہیں اس لئے واقعیت اور سچائی کے اعتبار سے ان کا درجہ بلند اور ناقابل تحدی ہے۔ قرآن سچائی کا علمبردار ہے۔ قرآن کی پھونکی ہوئی اس روح سے سرشار ہو کر مسلمان علماء و مفکرین نے پہلے فن حدیث کو بعدہ علم تاریخ کو قرآنی اصولوں کی روشنی میں صحیح خطوط پر مدون کرنے کا حتی الوسع اہتمام کیا اور دنیا کے سامنے اس کی مثالیں پیش کر دیں۔ یہ اور بات ہے کہ دنیا خود ہی سچائی کے راستوں پر نہ چلنا چاہے تو اس میں کسی کا کیا قصور۔

(مــــدیــــر)

* * * * * *